© rasailojaraid.com

تدوین حدیث

تدوین حدیث کا ماحول

(۴)

از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات
(جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

اسی طرح علم حدیث اور اسماء الرجال سے جو اشتغال رکھتے ہیں وہ صحابیوں کے متعلق بھی جانتے ہیں کہ تابعین میں فلاں فلاں صحابی سے زیادہ خصوصیت تھی اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے اُترتے ہوتے اساتذہ اور تلامذہ کے خصوصی تعلقات کا عام علم فن کے جاننے والوں کو پہلے ہی سے ہوتا ہے، پس اسماء تو یوں ہی یاد رہتے ہیں، حافظ کو ہر حدیث کے متعلق اتنا کام پڑتا ہے کہ ان ناموں میں سے کس نام کا کس حدیث کی سند سے تعلق ہے پس اس کو مستحضر رکھنا چاہئے سچ پوچھئے تو اس کی وجہ سے ناموں کے یاد کرنے میں بھی حافظہ کا کام آدھا رہ جاتا ہے اسی طرح متون حدیث کا حال ہے کہ اصل حدیث تو ایک ہی ہے دوسرے طرق پر لفظ دو لفظ کا اضافہ ہوتا ہے اور اسی اضافہ کی وجہ سے حدیث کے نمبروں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں پر بھی حافظہ پر جو کچھ بار پڑتا ہے وہ لفظ دو لفظ ہی کے یاد کرنے کا پڑتا ہے۔ بہرحال اکثر ابواب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حدیثوں کا یہی حال ہے کہ سند یا متن میں لفظ دو لفظ کو بدلتے چلے جائیے حدیثوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ اسی مسئلہ کے متعلق ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ابن راہویہ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک بڑے پتہ کی بات لکھی ہے، بیان یہ کیا ہے کہ مشہور امام فن علل ابو حاتم رازی کی مجلس میں ابن راہویہ اور ان کی غیر معمولی قوت یادداشت کا ذکر ہو رہا تھا، ایک صاحب جن کا نام احمد بن سلمہ تھا، انھوں نے ابو حاتم سے کہا کہ ابن راہویہ صرف عام ابواب ہی کی حدیثیں نہیں بلکہ تفسیری روایتیں بھی شاگردوں کو زبانی بغیر کتاب سامنے رکھنے کے لکھوایا کرتے ہیں ابو حاتم جو فن کے گرو سے واقف تھے۔ احمد سے یہ سن کر سنبھل گئے اور تعجب کے ساتھ کہنے لگے کہ

هذا اعجب لان ضبط الاحادیث المسندة اسهل واهون من ضبط اسانید التفاسیر والفاظها

ص ۴۱۳ ج ۲

(تفسیری روایات کا زبانی لکھوانا) بلاشبہ بہت زیادہ عجیب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے والی حدیثوں کا یاد رکھنا تفسیری روایتوں کی سندوں اور ان کے الفاظ کے یاد کرنے کے حساب سے بہت زیادہ آسان اور سہل ہے۔

سمجھا آپ نے ابو حاتم کیا کہہ رہے ہیں قصہ یہ ہے کہ تفسیری روایات کے ذخیرے میں براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کا سرمایہ بہت کم پایا جاتا ہے بلکہ زیادہ تر وہ صحابہ اور صحابہ سے بھی زیادہ بہت زیادہ ان لوگوں کے اقوال اس ذخیرے میں شریک ہیں جو صحابہ کے بعد تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں عرض کر چکا ہوں کہ صحابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے زیادہ روایت کرنے والوں کی تعداد بھی محدود ہے زیادہ تر روایتیں عموماً کثیرین صحابہ (ابوہریرہؓ، عائشہ صدیقہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ وغیرہم) حضرات سے مروی ہیں اکثر حدیثوں کے لئے صحابہ کے طبقہ میں ان چند ناموں کا یاد کر لینا کافی ہے پھر ان بزرگوں کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ یعنی حدیث کی آخری کڑیوں میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو اپنے استاذوں کے ساتھ خصوصی تعلقات کے لحاظ سے مشہور رہیں، حدیث کا ابتدائی طالب العلم ان محدود شخصیتوں سے واقف ہوتا ہے، گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ ہزارہا ہزار حدیثوں کی سندوں کے لئے چند محدود اسماء جن کی تعداد دو تین سو سے زیادہ نہ ہوگی ان کو یاد رکھنا ان ساری سندوں کے رجال کا یاد رکھنا ہے اور متون میں بھی اختلاف زیادہ تر لفظ دو لفظ ہی کے حساب سے ہوتا ہے مگر تفسیری روایات کی سندیں بھی لا محدود اور ان کے متون کے الفاظ بھی زیادہ تر ایک دوسرے سے کم ملتے جلتے ہیں، اسی لئے تفسیری روایتوں کے یاد رکھنے اور زبانی بیان کرنے پر ابو حاتم کو تعجب ہوا، اور یہی میں کہنا چاہتا تھا کہ حدیثوں کی عددی کثرت کو دیکھ کر بھڑکنے اور بدکنے کی ضرورت نہیں ان کا معاملہ اتنا دشوار نہیں ہے جتنا کہ ان مہیب اور مدہش اعداد و شمار کو سن کر بہ ظاہر فن کے نہ جاننے والے باور کیے بیٹھے ہیں، آدمی کی قوت یادداشت اس قسم کے مؤثرات سے شعوری اور زیادہ تر غیر شعوری طور پر امداد حاصل کرتی رہتی ہے۔

بات بہت طویل ہو گئی، حالانکہ کہنا صرف یہ چاہتا تھا کہ سو ڈیڑھ سو سال وقفہ کی جو درمیانی مدت ہے اس میں اگر حدیثوں کے قلم بند کرنے کا جیسا کہ عام طور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر پھیلا دیا گیا ہے رواج نہ بھی ہوا ہو، اور یاد کرنے والوں کی یاد ہی پر اس زمانے میں حدیثوں کے محفوظ رکھنے کا دارومدار رہا ہو تو واقعات اور حالات سے جو واقف ہیں ان کے نزدیک ہلکی سے ہلکی بے اعتمادی کی وجہ محض یہ واقعہ نہیں ہو سکتا ہے بلکہ سچی اور ٹھوس بات یہ ہے کہ کتابت ہو یا حفظ، معلومات کے محفوظ کرنے کے یہ دونوں قدرتی ذرائع ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ بتا رہا ہے کہ جیسے لکھ کر معلومات کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یاد کر کے بھی چیزوں کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور رکھا جاتا ہے۔ عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت اس کی زندہ مثال آپ کے سامنے قرآن ہی موجود ہے، مکتوبہ قرآن میں قرآن کی کسی آیت یا سورۃ کو پڑھئے یا کسی حافظ سے اسی آیت یا سورۃ کو سنئے کیا دونوں کے اعتماد میں کسی قسم کا فرق آپ پا سکتے ہیں؟

پس مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ان میں کون معلومات کے محفوظ کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے اور کون نہیں بن سکتا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کتابت ہو یا حفظ و یادداشت دونوں میں سے جس کسی سے بھی کام لیا جائے، کام لینے والے پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان ذمہ داریوں کی جیسا کہ چاہئے اگر تکمیل کی گئی ہے اور حزم و احتیاط کے لحاظ سے جن باتوں کی نگرانی کی ضرورت ہے ان سے لاپرواہی نہیں اختیار کی گئی ہے تو ان میں جس ذریعہ سے بھی کام لیا جائے گا قدرتاً انسانی فطرت اس ذریعہ سے محفوظ کی ہوئی چیزوں کے متعلق اپنے اندر اعتماد کی کیفیت کو محسوس کرتی ہے خواہ یہ کتابت کا ذریعہ ہو یا یاد کرنے کا طریقہ لیکن ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں اگر غفلت اور لاپرواہی برتی گئی ہو تو خود بخود اعتماد کی ضمانت مشتبہ ہو جاتی ہے خواہ لکھنے سے کام لیا گیا ہو یا یاد کرنے سے، جو واقعہ ہے وہ یہی اور صرف یہی ہے نہ سوچنے والوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک شور برپا کر رکھا ہے کہ ان حدیثوں کا کیا اعتبار جو کئی سو سال بعد قلم بند ہوئیں۔ اس عامیانہ غوغا میں اور جو غلطیاں ہیں ان کو تو جانے دیجئے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ انھوں نے یہ کیسے باور کر لیا ہے کہ قید کتابت میں آجانے کے بعد اشتباہات و شکوک کے سارے دروازے بند ہوجاتے ہیں؟ کیسی عجیب بات ہے ایک طرف اس کا ہنگامہ مچایا جاتا ہے کہ عالم معنی میں مظالم کے جو پہاڑ کاتبوں کے ہاتھوں سے ٹوٹے ہیں عالم صورت پر یہ ظلم چنگیز خاں کے ہاتھوں بھی نہ ہوا تھا عصر حاضر میں طباعت اور ٹائپ اور ٹائپ کی بھی پروفوں کے اہتمام کے باوجود معمولی سی بے احتیاطیاں عبارتوں کو کیا سے کیا بنا دیتی ہیں منفی کی جگہ مثبت اور مثبت کی جگہ منفی بن جانا معمولی بات ہے روزمرہ کا یہ مشاہدہ ہے[1]۔ ہندوستان کا مشہور مطبع نولکشور تقریباً ایک صدی سے اس کی شہادتیں فراہم کر رہا ہے اور فرض کیجیے کہ بے چارہ کاتب کتابت کی ذمہ داریوں کو نباہ بھی لے گیا ہو لیکن اس کے بعد بھی پڑھنے والوں کی نگاہیں ٹھوکروں سے کیا بالکلیہ محفوظ ہوجاتی ہیں، بیسیوں لطائف اس سلسلہ کے عوام میں مشہور ہیں[2]۔ اور ان لطائف کے متعلق تو نہیں کہا جا سکتا کہ آیا

---

[1] اس مشاہدے کا جسے شوق ہو، ہمارے زمانے کے مشہور اخبار صدق لکھنؤ کا مطالعہ کر سکتا ہے ورق ورق اور صفحہ صفحہ میں کتابت کے اعاجیب اس کے سامنے آتے چلے جائیں گے صدق کے کاتب کو اس کا کمال بخشا گیا ہے کہ آسمان کو بیک گردش قلم جب جی چاہے زمین بنا سکتے ہیں اور زمین کو چند شوشوں کے ہیر پھیر سے آسمان کا قالب عطا کر سکتے ہیں۔ [2] کہتے ہیں کہ "مولفہ" کو پڑھنے والوں نے لولتہ پڑھا۔ اور جب والد کی ضرورت پیش آتی فرماتے کہ "لولتہ" کی کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے نسخہ: بنفسہ دانہ الائچی شربت بنفشہ دانہ الائچی کے نسخے کے پڑھنے والے اسی ہندوستان میں پائے گئے ہیں خود اس فقیر کے ایک مرحوم دوست انجمن ترقی اردو کے مشہور رسالے "اردو" کو پڑھتے تھے۔ خاکسار ذرا دور کتاب کے مطالعہ میں معروف تھا وہی حضرت یکایک مجھے مخاطب بناتے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تراشیدہ اور خود آفریدہ ہیں یا واقعی پڑھنے والوں نے وہی پڑھا تھا جو مشہور ہوگیا ہے لیکن خود "تدوین حدیث" کی تاریخ ہی میں جن لطائف کا ذکر مسلسل سند کے ساتھ محدثین نے کیا ہے وہی کیا کم تعجب انگیز ہیں اصل فہرست تو ان لطائف کی بہت طویل ہے بطور دلچسپی اور عبرت کے لئے چند نمونے نقل کئے جاتے ہیں حاکم نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں نقل کیا ہے کہ علی نامی کسی صاحب کے متعلق لکھا ہوا تھا کہ "علی رجل عنین" یعنی علی کم عقل آدمی تھے پڑھنے والے صاحب نے پڑھا کہ (علی رجل عنین) یعنی علی نامرد آدمی تھے) حاکم نے حافظ ابو زرعہ کے حوالہ سے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص جس نے استادوں سے حدیث پڑھی نہ تھی کتاب کھول کر حدیث پڑھانے بیٹھ گیا مشہور حدیث آئی یعنی حضرت انسؓ کے بھائی جن کا نام ابو عمیر تھا، بچے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بطور طیبت (خوش مزاجی) کے فرمایا تھا یا ابا عمیر ما فعل النغیر (ابو عمیر نغیر کیا ہوا) نغیر ایک چڑیا کا نام ہے جسے ابو عمیر ہاتھ میں لیے پھرتے

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) ہوتے فرماتے ہیں کہ مولانا یہ "نثر" کا لفظ کس زبان کا ہے اس کے معنی کیا ہیں میں بھی چکرایا۔ قریب آیا، لفظ کو دیکھا نظم کے بعد نثر کا لفظ لکھا ہوا تھا ہمارے مرحوم دوست اسی کو "نژہ" پڑھ رہے تھے اس وقت ان کی عمر ساٹھ سے کم نہ تھی اور صبح و شام پڑھنے کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا ملے کہتے ہیں کہ "بلبل" کو "نغیر" کہتے تھے یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے مسائل اور احکام کے پیدا کرنے میں علماء اسلام نے جو کوششیں کی ہیں ان کی ایک مثال یہ روایت بھی ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ ایک بچے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے تھے الکتانی نے لکھا ہے کہ ابو العباس بن القاص نے صرف اس حدیث سے سو مسئلے پیدا کیے تھے۔ اسی طرح ابن صباغ نامی ایک مراکشی عالم کے متعلق لکھا ہے کہ چار سو فوائد اس حدیث سے انھوں نے پیدا کئے دیکھئے الکتانی صفحہ ۱۵ اور نفح الطیب ج ۴ ترجمہ ابن صباغ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، غالباً اُڑگئی یا مرگئی تھی، حضور نے ان کے ہاتھ میں چڑیا کو نہ دیکھا تو یہ فرمایا حدیث پڑھانے والے صاحب ان تفصیلات سے ناواقف تھے اور "نغیر" کا لفظ بھی کچھ غیر مشہور ہے اس لئے آپ نے بجائے نغیر کے یہ قرار دیا کہ یہ لفظ "بعیر" کا ہے اور شاگردوں کو مطلب یہ سمجھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو عمیر سے پوچھ رہے تھے کہ اونٹ کیا ہوا ان ہی صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ دوسری حدیث جس میں ہے کہ لاتصحب الملائکۃ رفقۃ فیہا جرس جس کا مطلب یہ تھا کہ اونٹوں کے گلے میں گھنٹیاں ڈال دینے کی جو عادت عرب میں تھی اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا کہ ملائکہ کی پسندیدگی سے وہ قافلہ محروم رہ جاتا ہے جس کے جانوروں کے گلے میں گھنٹی (جرس) ہو. محدث صاحب نے "جرس" کو "خرس" پڑھا اور فرمایا کہ ریچھ کو جو لوگ قافلہ کے ساتھ رکھتے ہیں ان کو مطلع کیا گیا ہے کہ ملائکہ کی پسندیدگی سے محروم ہوجاتے ہیں یا جس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "البزاق" یعنی تھوک کو مسجد کی دیوار پر دیکھا، محدث صاحب نے فرمایا کہ "البراق" کو دیکھا اور سب سے زیادہ دلچسپ لطیفہ الحاکم نے اس سلسلہ میں مشہور محدث ابن خزیمہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ اثر جو کتابوں میں منقول ہے کہ توضأ فی جرنصرانیہ (یعنی حضرت عمر نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کیا) پڑھنے والے صاحب نے جر کے لفظ کو حر[1] پڑھا - اب کیا بتاؤں کہ انھوں نے کیا پڑھا، لغت میں دیکھ لیجئے کہ حر کے کیا معنی ہیں؟ دیکھا آپ نے بات کہاں سے کہاں پہنچی، یہ ہے حال اس کتابت کا جس کے متعلق لوگوں نے غلط توقعات قائم کرلیے ہیں

---

[1] عورت کی شرمگاہ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لطف تو اس وقت آتا ہے جب پڑھنے والے اپنی غلط بینی یا غلط فہمی کی تصحیح و توجیہ شروع کر دیتے ہیں ایک صاحب جن کا نام محمد بن علی المذکر تھا، غالباً وعظ گوئی کا پیشہ کرتے تھے ایک حدیث پڑھی۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم زرعنا تزداد حناً"

لوگ حیران ہوکے کہ مطلب کیا ہوا؟ الحاکم نے لکھا ہے کہ تب محدث صاحب "قص قصۃ طویلۃ" یعنی ایک طویل قصہ بیان کرنا شروع کیا کہ کسی علاقہ کے لوگ تھے اپنی زرعی پیداواروں کا عشر اور صدقہ ادا نہیں کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کرتے ہوئے پہنچے کہ ہم لوگوں نے کھیتی کی لیکن سب کی سب "حنا" یعنی مہندی کا درخت بن گئی۔ اسی قول کو رسول اللہ نے گویا نقل کیا ہے سیوطی نے تدریب[1] میں لکھا ہے کہ یہ دراصل مشہور حدیث

زُرْ غِبّاً تَزْدَدْ حُبّاً — ناغہ کر کر کے ملاقات کیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔

کی خرابی تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کی غلطیاں ان ہی لوگوں سے صادر ہوتی ہیں یا آئندہ صادر ہو سکتی ہیں جن کے متعلق حضرت عبداللہ بن المبارک نے فرمایا ہے کہ

لم یکن الحدیث صنعتھم ص۱۴۹ — حدیث کا فن ان کا پیشہ نہ تھا۔

معرفۃ علوم الحدیث للحاکم

لیکن بعض دفعہ تو حیرت ہوتی ہے کہ ایسے لوگ جو فن کے ساتھ خاص تعلق

[1] تدریب ص۱۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھتے تھے، مثلاً مصر کے قاضی ابن لہیعہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ مشہور حدیث احتجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی وغیرہ سے مسجد میں ایک جگہ گھیر لی تھی۔ ابن لہیعہ نے بجائے احتجر کے اس کو "احتجم" پڑھا یعنی مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا، ابن صلاح نے لکھا ہے کہ اس غلطی کی وجہ یہ تھی کہ

اخذہ من کتاب بغیر سماع — ابن لہیعہ نے (استاذ سے سنے بغیر اس حدیث کو کتاب میں دیکھ کر) روایت کرنا شروع کیا تھا، صفحہ ۱۱۴ مقدمہ

آپ دیکھ رہے ہیں کہ حدیث مکتوبہ شکل میں ابن لہیعہ کے سامنے پیش ہوئی لیکن زبانی استاد سے حدیث کے الفاظ ابن لہیعہ نے چونکہ نہیں سنے تھے اس لیے کتاب ان کو غلطی سے نہ بچا سکی اور اس کی ایک نہیں بیسیوں مثالیں محدثین نے جمع کی ہیں بعض لوگوں نے اسی قسم کی غلطیوں کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں امام مسلم کی کتاب التمئیز اور دارقطنی وابو احمد عسکری کی کتابوں کا لوگوں نے خاص طور پہ تذکرہ کیا ہے، ایک پر لطف قصہ اسی سلسلہ کا یہ بھی ہے ایک محدث صاحب نے عام مجمع میں حدیث بیان کرتے ہوتے یہ بھی کہا کہ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذین یشققون الحطب دراصل الحطب جس کے معنی لکڑی ہیں اس کی جگہ حدیث میں الخطب کا لفظ تھا در حقیقت تقریر اور وعظ میں لفاظی سے کام لینے والوں کو خدا کی نگاہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردود ٹھیرایا تھا لیکن محدث صاحب نے گویا یہ پڑھا کہ لکڑی چیرنے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ لکھا ہے کہ وعظ سننے والوں میں ملاحوں کا بھی ایک گروہ تھا، ان میں سے کچھ لوگ آگے بڑھے اور بولے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فکیف نعمل والحاجۃ ماسۃ — آخر ہم لوگ کیا کریں ضرورت تو لکڑی چیرنے

ص۱۱۵ تدریب — کی بہر حال ہوتی ہے

یعنی بے چاروں کا روزگار ہی کشتی چلانے پر موقوف تھا، اور کشتی ظاہر ہے کہ لکڑی چیرے بغیر کیسے بن سکتی ہے لوگوں نے یہ نہیں لکھا کہ پھر محدث بے چارے نے اس کا کیا جواب دیا تعجب ہے کہ ابن صلاحؒ نے اس قصہ کو ابن شاہین جیسے آدمی کی طرف منسوب کیا ہے اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ وہی بے چارے کیا اس قسم کی غلطیوں کا تجربہ اکثروں کو کرنا پڑتا ہے۔ امام احمدؒ بن حنبلؒ کا قول سیوطی نے نقل کیا ہے کہ

ومن یعری عن الخطاء والتصحیف — عام غلطی یا غلط خوانی سے کون محفوظ رہ

ص۱۹۶ تدریب — سکتا ہے۔

اسی لئے میری غرض ان تصحیفی غلطیوں کے ذکر سے خود ان غلطیوں کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ان حضرات سے میرا خطاب ہے جنہوں نے اس زمانے میں حفظ اور یادداشت کی تحقیر کرتے ہوئے "کتابت" "کتابت" کا اتنا ہنگامہ مچا رکھا ہے، کہ میں نے جیسا کہ عرض کیا ان کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب ہو جانے کے بعد پھر شکوک و شبہات کی گویا گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ حالاں کہ دونوں باتیں غلط ہیں اور صحیح بات وہی ہے کہ چیزوں کے محفوظ کرنے کے یہ دونوں قدرتی ذرائع ہیں، کام لیتے ہوئے جن احتیاطوں کی ضرورت ہے اگر ان کی پابندی کی جائے گی تو دونوں ہی ذرائع قابل اعتماد ہیں اور ان احتیاطوں سے جب لاپروائی برتی جائے گی تو شک و شبہ کی گنجائش دونوں میں پیدا ہو سکتی ہے، محدثین اس کو خوب سمجھتے تھے کہ محض کسی چیز کا قید کتابت میں آجانا، اس کو قابل اعتماد بنا دینے کے لئے قطعاً کافی نہیں ہے۔ لکھنے کے بعد اسی لئے ہمیشہ اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاگردوں کو شدید تاکید کیا کرتے تھے کہ اصل صحیح نسخے سے اس کو ملا لیا کریں۔ اس سلسلہ میں ان کے شدید تاکیدی الفاظ کتابوں میں منقول ہیں پچھلے زمانے ہی میں نہیں، بلکہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے عروہ بن الزبیرؓ نے اپنے لڑکے ہشام بن عروہؒ سے پوچھا کہ جو حدیثیں میں نے بیان کیں تم نے ان کو لکھ لیا۔ ہشام کہتے کہ جی ہاں لکھ لیا۔ عروہ نے کہا اس کا اصل سے مقابلہ بھی کر لیا، ہشام نے کہا جی نہیں یہ سن کر عروہ نے کہا کہ

لم تکتب (الکفایہ ص ۲۳۷) تم نے پھر گویا لکھا ہی نہیں

قریب قریب اسی کے دوسرے محدثین سے الفاظ اس باب میں منقول ہیں اور یحییٰ بن ابی کثیر تو عموماً اپنے تلامذہ سے فرماتے کہ

من کتب ولم یعارض کمن دخل الخلاء ولم یستنج (کفایہ ص ۲۳۷) جس نے لکھا لیکن اصل سے اس کا مقابلہ نہ کیا تو اس کی حالت اس شخص کی مانند ہے جو بیت الخلاء گیا اور استنجا کے بغیر نکل آیا۔

اور ایک مقابلہ ہی کیا کتابت حدیث کی ذمہ داریوں کی وہ فہرست جو ہمارے محدثین نے بنائی ہے، کافی طویل ہے انشاء اللہ اپنے موقعہ پر اس کی تفصیل کی جائے گی اس وقت میرا خطاب صرف ان مسکینوں کی طرف ہے جنہوں نے کتابت کے متعلق کچھ یہ باور کر لیا ہے کہ کسی چیز کا مکتوب ہو جانا گویا معصوم ہو جانا ہے نہ لکھنے والوں سے غلط نویسی اور بھول چوک ہو سکتی ہے اور نہ پڑھنے والے کبھی غلط پڑھ سکتے ہیں یا غلط سمجھ سکتے ہیں اسی کے مقابلہ میں یاد کی ہوئی چیز کے متعلق ان کا خیال ہے کہ اپنی اصلی حالت میں اس کا یاد رہ جانا گویا ناممکن ہے پھر ان ہی مفروضات پر تیسرے فرض کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنیاد کھڑی کی گئی کہ ابتدائی عہد میں حدیثوں کے چونکہ صرف زبانی یاد کرنے کا رواج تھا اور ان کے قلمبند کرنے کا خیال بعد کو کئی صدی کے گزرنے کے بعد پیدا ہوا۔ اس لئے نتیجہ یہ نکالا گیا کہ حدیثوں کا موجودہ ذخیرہ جو کتابوں میں ہے قطعاً کسی حیثیت سے قابل اعتماد نہیں ہے اسی کا نام بناء الفاسد علی الفاسد ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان میں ہر مقدمہ فاسد اور محض ایک خود تراشیدہ فرض ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ ابتدائی صدیوں میں حدیثوں کے قلم بند نہ ہونے کا افسانہ صرف افسانہ ہے اور ابھی تو اس سلسلہ میں صرف عہد صحابہ کی چیزیں پیش کی گئی ہیں بعد کے قصے تو انشاء اللہ آپ آئندہ سنیں گے اسی طرح کتابت کی اتنی غیر معمولی اہمیت اور حفظ و یادداشت کی حد سے گذری ہوئی تحقیر و توہین جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، واقعات سے ان کا کچھ بھی تعلق ہے؟ نہ صرف گزشتہ تجربے بلکہ روزمرہ کے مشاہدات سے جو بات یہ صحیح ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ دونوں ذریعے معلومات کے محفوظ کرنے کے طبعی طریقے ہیں، ان میں سے جس ذریعہ کو ذمہ داریوں کی تکمیل کرتے ہوئے لوگ اختیار کریں گے اور جس حد تک اختیار کریں گے، اسی حد تک اعتماد کے حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوں گے اور جتنی زیادہ لاپروائیوں سے کام لیا جائے گا اعتماد اور بھروسہ بھی اسی نسبت سے کم ہوتا چلا جائے گا۔

تفصیل تو آگے آئے گی، سردست بطور دعویٰ کے اتنا تو پھر بھی اسی وقت کہہ دینا چاہتا ہوں۔ اور شاید پہلے بھی میں نے کہا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار و رفتار، سیرت و کردار عادات و اطوار تین مختلف راہوں سے منتقل ہوتے ہوئے پچھلی نسلوں سے اگلی نسلوں تک پہنچے ہیں یعنی تعامل روایت و کتابت، تعامل اور توارث کی راہ سے منتقل ہونے والی چیزوں کا تو پوچھنا ہی کیا، کہہ چکا ہوں کہ جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راہ سے قرآن کی منتقلی اگلوں سے پچھلوں میں ہوتی چلی آرہی ہے۔ اسی راہ سے جو چیزیں منتقل ہوتی ہیں، ان میں شک و شبہ کی کھلا گنجائش ہی کیا ہے، البتہ صرف روایت اور کتابت کی راہوں سے جو چیزیں منتقل ہوتی ہیں قطعیت میں ان کی یہ کیفیت تو نہیں ہے جو توارث اور تواتر کی راہ سے منتقل ہونے والی چیزوں میں قدرتاً پیدا ہو جاتی ہے لیکن آپ کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ اس نوعیت کی چیزیں بھی، یہ عجیب بات ہے کہ ابتداء عہد اسلام سے اس وقت تک جب کتابیں مدون ہو کر متواتر ہو گئیں عموماً کتابت و روایت کی دونوں راہوں سے ساتھ ساتھ وہ منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ روایت کی کوتاہیوں کی تلافی کتابت سے اور کتابت کی کوتاہیوں کی تلافی روایت سے ہوتی چلی گئی۔ محدثین جانتے تھے کہ ان میں سے کسی ایک طریقہ پر قناعت کر لینے کے بعد باہمی کوتاہیوں کی تلافی ایک دوسرے سے جو ہو رہی ہے، یہ فائدہ جاتا رہے گا۔ بلکہ بعض الفاظ کے نہ سننے کی وجہ سے دیکھا جا رہا تھا کہ جو لوگ صرف لکھی ہوئی حدیثوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں اس قسم کی فاحش غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کے چند نمونوں کا ابھی آپ ذکر سن چکے نہ صرف عوام بلکہ فن سے تعلق رکھنے والوں کو بھی پایا گیا کہ ان غلطیوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور کیسی غلطیاں؟ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن لکھتے ہوئے ایک کاتب صاحب آیت خر موسیٰ صعقا پر جب پہنچے تو ٹھٹھک کر فرماتے ہیں، ہیں یہ کیا ہم نے ہمیشہ لوگوں کو دیکھا کہ خر عیسیٰ کا ذکر کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ میرے پیش رو کاتب نے غلطی سے بجائے "عیسیٰ" کے "موسیٰ" لکھ دیا آپ نے قرآن میں بھی اصلاح دی، اور اصلاح کے بعد لوگوں سے اس کی داد بھی چاہی کہ وقت پر عیسیٰ کا مجھے خیال آگیا۔ ورنہ روا میں ممکن تھا کہ میرا قلم بھی "موسیٰ" ہی لکھتے ہوئے آگے نکل جاتا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقع میں یہ واقعہ پیش بھی آیا ہے۔ لیکن خطیب نے اپنی متصل سند کے ساتھ حدیث کے متعلق یہ قصہ جو نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ میں پہلے تو تعلقات اچھے تھے لیکن بعد کو دونوں کے درمیان کچھ سوء مزاجی پیدا ہو گئی، پھر عید کی نماز میں اذان اور اقامت کے مسئلہ کا ذکر ہے، یہاں جس چیز کا ذکر مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ابن زبیرؓ اور ابن عباسؓ کے تعلقات پہلے اچھے تھے اسی مفہوم کو اس واقعہ کے راوی نے عربی کے ان الفاظ میں ادا کیا تھا کان الذی بینهما حسنا (دونوں کے تعلقات اچھے تھے)

مگر جیسے "تو" کے لفظ کو دیکھ کر قرآن کے کاتب صاحب کا ذہن بجائے حضرت موسیٰ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا تھا، اسی طرح عطاء کے مذکورہ بالا الفاظ میں "حسن" کا جو لفظ تھا یہ سمجھ کر کہ ابن زبیرؓ اور ابن عباسؓ کا جب تذکرہ ہو رہا ہے سننے والے کا ذہن امام حسن علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا اور اہل بیت کے ساتھ نیازمندی کے تعلقات کو ظاہر کرنے کے لئے جوش عقیدت میں "حسنا" کے لفظ کے بعد "علیہ السلام" کا اضافہ کر دیا ظاہر ہے کہ اس غلطی میں مبتلا ہو جانے کی وجہ یہی تو ہوئی کہ لفظ صرف مکتوبہ صورت میں سامنے آیا ورنہ روایت کی راہ سے بھی یہی لفظ ان کے کان میں اگر پڑتا تو اولاً بجائے "حسن" کے ان کا کان اس لفظ کو "حسنٌ" کی شکل میں سنتا پھر بھی کچھ کھٹکا دل میں رہ جاتا تو پوچھ سکتے تھے کہ اس کا مطلب کیا ہوا، استاد سامنے ہوتا تو بتا دیتا لیکن صرف کتابت پر بھروسہ کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے چارے امام حسن علیہ السلام کو ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کے درمیان کھینچ کر لے آئے۔

(جیسا کہ آئندہ انشاء اللہ تفصیل سے یہ بتایا جائے گا کہ صحیح راہ روایتوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حفاظت کی یہی ہے کہ کتابت اور روایت دونوں طریقوں کو مسلسل جاری رکھا جائے تاکہ ایک کے نقص کی تکمیل دوسرے سے ہوتی رہے، اور محدثین نے یہی کیا بھی ہے لیکن بایں ہمہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آج تو لوگ کتابت ہی کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں، اور روایت کی کوئی اہمیت دلوں میں باقی نہیں رہی ہے لیکن یہ اُن کا حال ہے جن بے چاروں کو اس قسم کی چیزوں کے تجربہ کرنے کا ذاتی طور پر موقع نہیں ملا ہے ورنہ محدثین اپنے طویل تجربوں کی بنیاد پر اس زمانے میں اس نتیجہ تک پہنچے تھے کہ کسی چیز کے متعلق ان دونوں ذرائع میں سے کسی ایک ہی ذریعے کے اختیار کرنے کا موقعہ آجائے تو وہ سمجھتے تھے کہ نتائج کے لحاظ سے روایت کے طریقہ میں صحت کی توقع بہ نسبت کتابت کے زیادہ ہے نقد رجال کے امام جلیل علی بن مدینی اسی اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ

حافظ متقن احب الی من اصل	حدیثوں کو زبانی یاد رکھنے والے جنہوں نے
غیر متقن ملاکفایۃ	اتقان اور بیدار دماغی کے ساتھ یاد کیا ہو
	میرے نزدیک حدیث کے ایسے نسخے سے
	بہتر ہیں جن کے لکھنے میں زیادہ توجہ نہ کی گئی

حافظ کے ساتھ "متقن" کا لفظ ابن مدینی نے جو بڑھایا ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ کسی چیز کے یاد کرنے میں جن احتیاطوں کی ضرورت ہے، ان کی ذمہ داریوں کا محسوس کرنے والا ہو، اور یاد کرتے ہوئے ان کا پورا پورا خیال رکھتا ہو وہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں ایسا حافظ اور زبانی یاد رکھنے والا میرے نزدیک اس کتاب اور نسخے سے بہتر ہے جس کے لکھنے میں اتقان کا خیال نہ کیا گیا ہو، یعنی لکھنے والے نے لاپروائیوں سے کام لیا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیال تو کیجئے یہ تو خیر حدیث کا معاملہ ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ روایت کس حد تک صحیح ہے، کسی معمولی آدمی کا بیان ہوتا تو کم از کم میرے لئے اس کا باور کرنا آسان نہ تھا، بہرحال دار قطنی کی "کتاب التصحیف" سے سیوطی نے تدریب میں نقل کیا ہے کہ ایک مشہور عالم تفسیر پڑھا رہے تھے، جب سورۂ یوسف کی آیت "جعل السقایۃ فی رحل اخیہ" پر پہنچے جس کے معنی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کے سفری سامان میں شاہی پیمانے کو رکھوا دیا لیکن مفسر صاحب نے اسی آیت کو تلاوت کرتے ہوئے پڑھا کہ "جعل السفینۃ فی رحل اخیہ" یعنی بجائے شاہی پیمانے کے یہ مطلب ہوا کہ حضرت یوسفؑ نے "کشتی" اپنے بھائی کے سازوسامان میں رکھوا دی۔ سننے والوں سے جنھیں قرآن زبانی یاد تھا، اور نہ بھی یاد ہوتا تو ایسی فاحش غلطی پر کون صبر کر سکتا تھا، بہرحال جب پوچھا کہ لفظ "السفینۃ" نہیں بلکہ "السقایۃ" ہے تو ملاحظہ فرمائیے اس دیدہ دلیری کو اللہ علم کے فتنے سے آدمی کو محفوظ رکھے کہ بجائے غلطی کو مان لینے کے فرماتے ہیں۔ "کہ یہ عاصم کی قرأۃ ہوگی، اور میرے بھائی قرآن کو ان کی قرأت پر نہیں پڑھتے ہیں"[1]

بظاہر اپنی غلطی کا ان کو احساس ہوا۔ لیکن پڑھنے والوں کے سامنے رسوائی نہ ہو، ایک بات بنا دی گئی، اسی کتاب کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورۂ "الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل" جس کا نام سورۂ فیل ہے ان ہی صاحب نے پڑھاتے ہوئے الم ترکے شروع میں جو "الم" ہے۔ اس کو سورۂ بقرہ کے ابتدائی حروف الف لام میم ترکیف فعل ربک پڑھ دیا تھا۔[2]

---

[1] تدریب الراوی صفحہ ۱۹۷ [2] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ دیکھ رہے ہیں خدانخواستہ اگر قرآن کے معاملہ میں صرف "کتابت" ہی پر بھروسہ کر لیا جاتا۔ اور کتابت کے ساتھ زبانی یاد کرنے کا دستور مسلمانوں میں شروع سے مروج نہ رہتا۔ تو جس تروتازہ حال میں اس وقت قرآن پڑھا جا رہا ہے کیا پڑھا جا سکتا تھا علی الخصوص اسلام کے ابتدائی دنوں میں جب عربی حروف خصوصاً جن کی شکلیں باہم ملتی جلتی تھیں مثلاً ج ح خ د ذ ص ض وغیرہ میں نقاط کے ذریعہ امتیاز کا طریقہ بھی جاری نہ ہوا تھا۔ گو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حلقہ خاص کے آدمی ابوالاسود دؤلی[1] نے عہد صحابہ میں ہی نقاط کے ذریعہ ان مشتبہ حروف کی شناخت کا طریقہ ایجاد کر کے مسلمانوں میں پھیلا دیا تھا لیکن جب تک نقاط کا یہ طریقہ ایجاد نہ ہوا تھا، ان مشتبہ حروف میں تمیز کے لئے لوگوں کو

---

[1] دؤلی کی وفات ۶۹ھ میں ہوئی ہے۔ اس لئے یہ کام ۶۹ھ سے بہت پہلے پورا ہو چکا تھا بعض لوگ حجاج کے سر اس کا سہرا باندھتے ہیں لیکن میرے نزدیک بنی امیہ کے سیاسی ہتکنڈوں کا ایک جزء یہ بھی ہے ان ہی سیاسی اغراض کے تحت قرآن کا جامع حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشہور کر دیا تھا حالانکہ واقعہ کی یہ قطعاً غلط تعبیر ہے حضرت عثمانؓ کا کام قرآن کے متعلق صرف اس قدر ہے کہ لکھنے کی حد تک آپ نے سارے مسلمانوں کو قریشی لہجے کے مطابق تشکل پر جمع کر دیا تھا ورنہ پڑھنے میں پھر بھی آزادی تھی اور وہ کسی کے بس کی بات تھی بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کو جامع الناس علی القرآن فی الکتابۃ کہا جا سکتا ہے بہر حال میری تحقیق یہی ہے کہ نقطہ اندازی کے جس مسئلہ کو حجاج کی طرف منسوب کر دیا ہے، روایات کی تنقیح و تحقیق سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ درحقیقت اس کے موجد بھی ابوالاسود دؤلی تھے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خاص آدمی تھے۔ نحو کے ابتدائی کلیات ابوالاسود ہی نے حضرت علیؓ سے سیکھے تھے۔ ان امور کی تفصیل تدوین قرآن کی تاریخ میں ملے گی جسے میں لکھ چکا ہوں لیکن طبع نہیں ہوئی ہے۔ کچھ بھی ہو حجاج ہی کو اگر قرآنی حروف کے نقاط کا بانی مانا جائے تو جب بھی یہ کام عہد صحابہ ہی میں سمجھا جا سکتا ہے کہ انجام پایا۔ حجاج کے زمانے میں بکثرت صحابہ موجود تھے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتنی دشواریاں اٹھانی پڑتی تھیں، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کوئی طریقہ ان حروف میں تمیز کا پایا جاتا تھا جسے "قش" کہتے تھے ابن عساکر اور مرزبانی کے حوالہ سے حضرت معاویہؓ کی روایت کتابوں میں جو نقل کی گئی ہے اسے ملاحظہ کیجئے (تدریب ص ۱۵۱) لیکن پھر بھی کوئی کلی اطمینان بخش طریقہ ان حروف کی شناخت صحیح کا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں نہ تھا بلکہ لوگ اپنی ذاتی تجویزوں سے کام لیا کرتے تھے الذہبی نے عبداللہ بن ادریس کے تذکرے میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث کی سند میں ابوالحوراء نام جب آیا تو اندیشہ اس کا ہوا کہیں ابوالجوزاء، نہ پڑھا جائے اس لیے اپنی ذہنی اشارے کے لیے میں نے اس کے نیچے "حورعین" کا لفظ لکھ دیا جس سے معلوم ہوا کہ علاوہ نقاط کے بعض دوسرے طریقے بھی ان حروف میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے لوگ اختیار کرتے تھے۔

بہرحال کچھ بھی ہو اس میں شبہ نہیں کہ نقاط کا طریقہ جب تک ایجاد نہ ہوا تھا اس وقت تک مکتوبہ چیزوں کا صحیح پڑھنا اور بھی دشوار تھا یہ تو حفظ اور یادداشت کے طریقہ سے قرآن کے محفوظ کرنے کی کرامت ہے کہ بحمداللہ اس کے کسی لفظ کے متعلق کسی قسم کا شبہ

لہ یہ عجیب بات ہے کہ ذہبی نے ابن ادریس کے اس قول کو نقل کر کے لکھ دیا ہے کہ قلت لم یکن ظھر الشکل جلد ص ۲۷۱ ج ۱۔ یعنی اس وقت نقطوں کا طریقہ ہنوز ایجاد نہ ہوا تھا لیکن میری سمجھ میں ذہبی کی یہ بات نہ آئی قطع نظر اس سے کہ عہد نبوت ہی میں بعض امتیازی طریقوں کا پتہ چلتا ہے بلکہ نقط تو وہاں بھی نقاط ہی کا استعمال کیا گیا ہے دیکھئے "قش" والی روایت حضرت معاویہؓ کی تاہم اتنا تو بہرحال مسلم ہے کہ پہلی صدی ہجری کے نصف اول ہی میں خواہ حجاج کو سمجھئے یا کاتب ہی کے اشارے سے سمجھئے نقطوں کا رواج عمومی طور پر پھیل چکا تھا پھر ابن ادریس جو دوسری صدی کے عالم ہیں ۱۹۲ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے ان کے متعلق یہ لکھنا کہ اس وقت تک نقطوں کا رواج نہ ہوا تھا اور شکل سے اگر حرکات زیر و زبر مراد ہے تو اس کی یہاں ضرورت نہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ نقاط کی ترویج کے باوجود بھی اشتباہ کا اندیشہ رہ جاتا تھا یہ محدثین کی احتیاط کی انتہا تھی کہ نام تک کی صحت کے لیے اتنی نزاکتوں سے کام لیتے تھے۔ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا نہ ہوا قرأت کے اختلافات عموماً لہجوں کے اختلافات ہیں یا اس کے وجوہ دوسرے ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے، ورنہ جیسا کہ اس زمانہ میں سمجھ لیا گیا ہے اگر بالکلیہ کو دوسروں کتابت کے طریقہ پر کر لیا جاتا تو حدیث تو حدیث میں سمجھتا ہوں کہ قرآن تک کے لئے وہ کتنا بڑا فتنہ بن سکتا تھا[1]۔ تدوین حدیث کی تاریخوں میں لوگ اس قسم کے لطائف کا ذکر جو کرتے ہیں کہ فلاں صاحب نے سفیان ثوری کو شفیان ثوری پڑھا، یا خالد الحذاء کو خالد الحذاء اور الحسن کے لفظ کو الخسیر پڑھ دیا تھا۔ حتیٰ کہ الحاکم نے لکھا ہے کہ ایک صاحب میرے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ انھوں نے حدیث کی سند کے راوی رقبہ بن مصقلہ کو رقبہ بن مثقلہ پڑھ دیا، تو ہم لوگوں میں آئندہ وہ رقبہ ہی کے نام سے پکارے جانے لگے اور یہی نام ان کا مشہور ہو گیا[2] (دیکھو معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص۱۵۲) لیکن یہ غلطیاں تو حدیث میں اور حدیث میں بھی سند کے راویوں کے نام میں لوگوں میں لگی تھیں۔ حکیم الامت مرشد تھانوی

---

[1] خدا جانے جلال الدین سیوطی نے یہ بات کہاں سے نقل کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں والی مصر کے نام جس خط کی وجہ سے فتنہ کا آغاز اسلام میں ہوا بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصلی خط میں لکھا ہوا تھا کہ جب عامل خط ہذا تمہارے پاس پہنچے تو اس کی بات کو قبول کیجیو۔ اسی قبول کیجیو کے مفہوم کو عربی میں "فاقبلوہ" کے لفظ سے ادا کیا گیا تھا لیکن فتنہ پردازوں نے اس کو "فاقتلوہ" بنا دیا، یعنی قتل کر دیجیو۔ اسی کے بعد اسلام میں وہ فتنہ اٹھا جو پھر نہ دبا۔ دیکھو تدریب ص۱۵۱ اگر یہ واقعہ ہے تو فتنہ عثمانی کی تاریخ کی بنیاد ہی بدل جاتی ہے ۱۲۔ [2] جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ میں ہمارے ایک بڑے فاضل رفیق تھے لیکن عربی الفاظ کے تلفظ میں غیر محتاط تھے حتیٰ کہ لا یبقیٰ کے لفظ کو جب انھوں نے لَا یَبْقِی ایک بھری مجلس میں پڑھ دیا تو اس دن سے ایک خاص مجمع میں ان کو لوگ مولانا "لا یبقی" ہی کہا کرتے تھے آخر بیچارے باقی نہ رہے وفات ہو گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنے وعظ میں ایک دفعہ بیان کیا تھا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات میں سے کسی صاحب نے بغیر استاد کے خود قرآن کی تلاوت کرنی چاہی، قرآن کھولا پہلی صورت جس پر نظر پڑی اس کی ابتدا الٓمٓ سے ہوئی تھی عربی خط میں یہ کچھ اس طرح لکھا ہوا تھا کہ تعلیم یافتہ صاحب نے اس کو "آلو" پڑھا غالباً اس پر مسرور بھی ہوئے ہوں گے کہ ہماری دینی کتاب نباتاتی حقائق سے لبریز ہے کھولنے کے ساتھ کھانے کی ایک چیز سامنے آگئی۔ آگے خیال کر لیا ہوگا کہ اسی آلو کے بونے کاشت کرنے پکانے کے طریقوں پر بحث کی گئی ہوگی، افسوس ہوا ہوگا کہ ملاؤں نے اس بہترین کتاب کو صرف خشک دین اور جنت و دوزخ کے تذکروں کی یاد داشت بنا کر چھوڑ دیا ہے۔[1]

گو بات بہت بڑھ رہی ہے لیکن کیا کیا جائے میں نے تو جو کچھ لکھا ہے ان مقالات اور مباحث کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے جو کتابت کو ہر مرض کی دوا یقین کرتے ہوئے اس پر داویلا مچا رہے ہیں کہ حدیثوں کو بجائے کتابت کے اتنے دنوں تک حفاظ حدیث کے حافظوں کے سپرد کیوں کر دیا گیا۔ خود یہی سمجھے بیٹھے ہیں اور دوسروں کو بھی یہی سمجھانا چاہتے ہیں کاش حدیثوں کے زبانی یاد کرنے کا یہ طریقہ ابتدا اسلام میں اگر جاری نہ ہوتا اور صرف کتابت پر بھروسہ کر لیا جاتا تو بدگمانیوں کے جو بھپارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق ان کے دماغوں میں اٹھ اٹھ کر خفقان پیدا کرتے رہتے ہیں ان کی تولید اور پیدائش کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی

۱؎ اس زمانے میں طنطاوی جوہری کی تفسیر جس میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے، اسی بنیاد پر اس کو خاص حسن قبول حاصل ہوا ہے تعلیم یافتہ طبقوں میں بڑی تعریف اس کتاب کی سنا جاتا ہے کہ ہو رہی ہے۔ نیا فلسفہ العلم والدین ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی مفروضہ، خود آفریدہ واقعہ کو نہ رگوں پر لعن وطعن کا ذریعہ بھی بنالیا گیا ہے، اور اسی کو پیش کر کر کے "اسوہ حسنۂ نبویہ" جو مسلمانوں کی زندگی کے لئے شمع راہ کا کام دے رہا تھا، اس شمع ہی کو بجھا دینے کی کوششوں میں ایڑی چوٹی کا زور خرچ کیا جا رہا ہے۔ صرف قرآن، قرآن کے سوا کچھ نہیں اسی کا جھنڈا بلند کر دیا گیا ہے، کتابوں کے طومار کے سوا مختلف کمیٹیوں میں ماہوار رسالے نکالے جا رہے ہیں اور قرآن بھی وہ جس کے پڑھنے والوں کو "آلو" کی جگہ اس میں "آلو" لکھا ہوا نظر آتا ہو آپ ان باقیماندہ طامات کے گورکھ دھندوں کو دیکھئے تب معلوم ہوگا کہ میں نے تو ابھی کوئی پوٹلی بھی تیار نہیں کی ہے۔

خیر اب اس قصے کو ختم کیجئے انصاف سے کام لینے والوں کے متعلق مجھ کو توقع ہے کہ اس سلسلہ میں واقعات کی جو روشنی مہیا کی گئی ہے اس روشنی میں وہ اس نتیجہ تک پہنچ چکے ہوں گے کہ یاد کر کے کسی چیز کو محفوظ کرنا یا لکھ کر اس کو محفوظ کر دینا دونوں میں چنداں فرق نہیں ہے، سب سے اچھا طریقہ تو یہی ہے کہ حفاظت کے ان دونوں ذرائع سے کام لیا جائے اور جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا کہ قرآن ہی کی حد تک نہیں بلکہ حدیثوں کے متعلق بھی شروع ہی سے اسی طریقہ کو سارے اسلاف نے اختیار کیا ہے لیکن اسی کے ساتھ لوگوں کو اس کا اندازہ بھی ہو گیا ہوگا کہ حفاظت کے ان دونوں طریقوں میں سے کسی ایک ہی طریقہ کو کسی وجہ سے اگر اختیار کیا جائے یا ان دونوں میں سے کسی ایک ذریعہ سے کام لیا جائے تو ایسی صورت میں حفظ اور یاد کرنے کے تسلسل کو جاری کرنا یعنی ہر پہلی نسل خود یاد کر کے آئندہ نسلوں کو یاد کراتی چلی جائے تو مختلف وجوہ سے کتابت اور قلم بندی کے لحاظ سے حفظ اور یاد کرنے کا طریقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ اسلم و احکم ہے۔ چیزیں اپنی شکل و صورت خط و خال کے ساتھ محفوظ ہیں اس اعتماد کی جتنی ضمانت اس طریقہ میں ہے، صرف کتابت میں اس اعتمادی اطمینان کو آدمی کی فطرت مشکل ہی سے پا سکتی ہے۔ میری مذکورہ بالا گفتگو کا آخری خلاصہ یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ وید کے متعلق البیرونی کی اس تاریخی شہادت کو پیش کرتے ہوتے کہ ہندوستان میں جس وقت البیرونی آیا ہے، اس سے کچھ ہی دن پہلے کشمیر کے ایک پنڈت نے وید کے اشلوکوں کو قلم بند کیا تھا ورنہ اس سے پہلے خواہ جتنا بھی زمانہ گذرا ہو، اس کتاب کی حفاظت کا سارا دار و مدار یاد کرنے والے پنڈتوں اور برہمنوں کی یاد پر تھا میں نے عرض کیا تھا کہ وید پر اور جن پہلوؤں سے بھی نکتہ چینی کی جائے لیکن صرف اتنی بات کہ اتنے زمانہ تک جو کتاب قید کتابت میں نہ آ سکی اس کے ماننے والوں کے اعتماد کو مضمحل کرنے کے لئے قطعاً ناکافی ہے آخر یہ کیوں نہ سمجھا جاتے کہ جیسے قرآن کو زبانی یاد کرنے کا دستور تیرہ ساڑھے تیرہ سو سال سے مسلمانوں میں مروج ہے، اسی طرح وید کو جن لوگوں نے خدا کی کتاب مانا تھا، ان میں بھی یہی دستور جاری تھا کہہ چکا ہوں کہ واقعات سے یہی ثابت بھی ہوتا ہے کہ وید کے ماننے والوں نے اپنے دھرم اور دین کی بنیادی کتاب کی حفاظت و بقاء کے تسلسل کو زبانی یاد کرنے ہی کے طریقہ سے کم ازکم ہزار پندرہ سو سال تک باقی رکھا اور کبھی ان کے قلب میں اس کا شبہ نہ ہوا کہ اتنی طویل مدت تک جو چیز مکتوبہ شکل میں نہیں رہی ہے اس کو دین کے جوہری حقائق اور اساسی عناصر کا سرچشمہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا یہی ایک واقعہ ان ساری مسؤ نامبارک کوششوں کو غیر فطری ٹھیرانے کے لئے کافی نہیں ہے حدیثوں کے متعلق یہ فرض بھی کر لیا جاتے کہ صدی ڈیڑھ صدی تک وہ قلمبند نہ ہو سکیں، بلکہ بجائے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے یاد کر کر کے یاد کرنے والوں نے اس کو محفوظ رکھا اور ایک نسل سے دوسری نسل تک ان کو منتقل کیا آخر فطرت کا تقاضہ اگر یہی ہوتا کہ ان پر اعتماد نہ کیا جائے تو صدی ڈیڑھ صدی نہیں بلکہ کم از کم تیرہ چودہ صدیوں تک کتابی قالب سے آزاد رہنے والی کتاب دیدہ کردہ را کر دوران انسانوں کے اعتماد کے حاصل کرنے میں کیسے کامیاب ہو سکتی تھی جو مذہب کے آخری بنیادی اور اساسی کتاب پر اس کے ماننے والوں کو ہو سکتی ہے

حدیث پر بلاشبہ مسلمان اعتماد کرتے چلے آئے ہیں اور جب تک مسلمان مسلمان ہیں انشاء اللہ یہ اعتماد ان میں باقی رہے گا لیکن کون نہیں جانتا کہ تواتر و توارث کی جس راہ سے منتقل ہوتا ہوا قرآن پہنچا ہے اسی راہ سے منتقل ہونے والی وہ ساری چیزیں جو مسلمانوں کو اپنے پیغمبر سے ملی ہیں اعتماد راسخ کا جو مقام ان چیزوں کو مسلمانوں میں حاصل ہے، بھلا اعتماد کی اس لازوال غیر متزلزل کیفیت سے ان چیزوں کے اعتماد کو کیا نسبت جن کے علم کا ذریعہ وہ حدیثیں ہیں جنہیں اصطلاحاً خبر احاد کہتے ہیں یعنی صحاح وغیرہ کتابوں کی عام حدیثوں کی جو نوعیت ہے اور اس وقت میری بحث کا تعلق در اصل حدیثوں کے اسی ذخیرے سے ہے آپ اصول فقہ کی کسی کتاب کو اٹھا کر دیکھئے آپ کو قریب قریب یہی مضمون مختلف الفاظ میں ملے گا۔ مثلاً صاحب کشف بزدوی نے لکھا ہے کہ

مَنْ سَواہ بالکتاب والسنۃ	قرآن اور سنتہ متواترہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ
المتواترۃ فقد اخطاء فی رفعہ	علیہ وسلم کی طرف جو باتیں تواتر کی راہ سے
من منزلتہ ووضع الاعلیٰ عن	منسوب ہیں) ان دونوں کے برابر درجہ ان
منزلتہ ج۲ ص۲ کشف	حدیثوں کو سمجھا ہے جنہیں خبر احاد کہتے ہیں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نے دو غلطیوں کا ارتکاب کیا، یعنی خبر احاد والی حدیثوں کا جو واقعی مقام اور مرتبہ ہے اس مرتبہ سے ان کو اس نے بلند کر دیا (یہ پہلی غلطی ہوئی) اور دوسری غلطی یہ ہے کہ (کتاب و سنت متواترہ) کو ان کے مقام سے اس نے گرا دیا۔

بلکہ ایسی حدیثیں بھی جو اپنے بیان کرنے والوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے تواتر کی درجہ تک نہ پہنچی ہوں لیکن پھر بھی اگلی نسلوں تک انھیں عام شہرت حاصل رہی ہے اصطلاحاً جس کا نام حنفیوں نے خبر مشہور رکھا ہے، ان تک کے متعلق شمس الائمہ سرخسی نے لکھا ہے کہ

ان جاحده لا یکفر بالاتفاق
کشف ص ۳۶ ج ۲

اس قسم کی مشہور حدیثوں کے منکر کو کافر نہیں ٹھیرایا جا سکتا یعنی اس پر کفر کا فتویٰ اور یہ کہ دائرہ اسلام سے وہ خارج ہو گیا یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

اور جب ان کا حال یہ ہے تو درجہ میں ان سے جو حدیثیں فروتر ہیں یعنی احاد خبریں ظاہر ہے کہ ان کے ماننے نہ ماننے پر مسلمان ہونے نہ ہونے کا دار و مدار کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ اسی لئے سمجھا جاتا ہے کہ اس قسم کی حدیثوں سے جو راہ نمائیاں میسر آئی ہیں خواہ بجائے خود وہ کتنی بھی قیمتی ہوں لیکن بایں ہمہ یہ مسلمہ ہے کہ

لا یعاتب بترکها لانها لیست

ان کے چھوڑنے پر چھوڑنے والے کو سزا نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بفریضۃ ولا واجبۃ کشف ج ۲ ص ۲۱ — دی جائے گی، کیونکہ (جو احکام احاد خبروں سے پیدا ہوتے ہیں) وہ نہ فرض ہوتے ہیں اور نہ واجب

اور یہ حکم تو ان کا ہے جو ان حدیثوں کو مانتے ہیں لیکن ان پر عمل کی توفیق سے محروم ہیں، باقی مسلمانوں میں ایک گروہ مثلاً معتزلہ وغیرہ جو یہ کہتے تھے کہ ایسی حدیثوں کا کیا اعتبار جن کی خبر معدودے چند آدمیوں نے دی ہو، یعنی سرے سے خبر آحاد کی افادیت کے جو منکر ہیں، ان کے متعلق بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ صاحب کشف نے نقل کیا ہے کہ

فقد ضل سواء السبیل ج ۲ ص ۳۴ — سیدھی راہ سے وہ بھٹک گیا،

درحقیقت ان پر وہی بات صادق آتی ہے جسے فخر الاسلام بزدوی نے اپنے بلیغ فقرے میں ادا کیا ہے کہ

هذا رجل سفیه لم یعرف نفسه ولا دینه ولا دنیاه ولا امه ولا اباه ص ۳۶ — یہ دراصل ایک بے وقوف آدمی ہے، اپنے آپ کو بھی یہ نہیں پہچانتا، نہ اپنے دین کو نہ دنیا کو، نہ اپنی ماں کو نہ اپنے باپ کو[1]

بہرحال کچھ بھی ہو، میں کہنا چاہتا ہوں کہ محض زبانی یادداشت کی شکل میں رہنے کی وجہ سے جب دنیا کی کوئی منطق اعتماد کی اس چٹان کو ہلانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی جو مذہب کے بنیادی حقائق اور اساسی عناصر پر انسانی فطرت عموماً رکھتی ہے تو بتایا جائے

---

[1] یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ فخر الاسلام غصہ میں کچھ دشنام طرازی پر اتر آئے بلکہ واقعہ کے اظہار کی شکل ہی اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے مطلب ان کا یہ ہے کہ واقعیت پسندی میں بعضوں کا بھی مذاق حد جنون تک پہنچ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ حدیثوں کا عام ذخیرہ جس سے پیدا ہونے والے نتائج کی حیثیت مسلمانوں کی دینی

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) جاتا ہے اور اسی لئے ان چیزوں کے سوا جنھیں ان کی آنکھوں نے دیکھا ہو، کانوں نے سنا ہو، الغرض اپنے حواس کے معلومات کے سوا دوسروں کی دی ہوئی خبر صرف اس لیے کہ وہ خبر ہے اور ہر خبر میں سچ ہونے کے ساتھ ساتھ جھوٹ ہونے کی بھی یوں کہ گنجائش ہوتی ہے اس لئے خبر سے کہتے ہیں کہ کسی واقعہ کا علم ہو ہی نہیں سکتا، خواہ خبر دینے والا کوئی ہو، کسی قسم کی خبر دے رہا ہو، کسی حال میں دے رہا ہو، اور اپنے اسی وسوسے کو یہ لوگ ایک قسم کا فلسفہ قرار دے کر ان حدیثوں کا بھی انکار کرتے ہیں جن میں ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل وغیرہ کی خبر دی جاتی ہے فخر الاسلام کا خطاب اسی قسم کے وسواسیوں سے ہے کہ دنیا کے معاملات کا تو ظاہر ہے کہ زیادہ تر خبروں ہی پر دارو مدار ہے آج اگر اس اصول کو مان لیا جائے کہ خبروں سے واقعات کا علم نہیں حاصل ہو سکتا تو کیا کوئی بے چارا تاجر تجارت کر سکتا ہے خبر ہی سے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں چیزیں فلاں جگہ ملتی ہیں، خبر ہی سے اس کو واقفیت ہوتی ہے کہ مال اس کا روانہ ہو گیا ہے یا اسٹیشن پہنچ گیا ہے، اور ایک یہی کیا زندگی کے سارے شعبوں کا یہی حال ہے اگر آدمی اس قدر شکی ہو جائے تو چپراسی کو اس کا افسر یہ حکم دے کر بھیجے کہ فلاں صاحب کو بلا لاؤ چپراسی خبر دے کہ صاحب آپ کو بلاتے ہیں، اس خبر کو سن کر کہنے والا کہنے لگے کہ تو خبر دے رہا ہے خبر جھوٹی بھی ہوتی ہے اور سچی بھی اس لیے مجھے تیری خبر سے کسی قسم کا علم حاصل نہ ہوا یہ فرماتے ہوتے اگر افسر کے چپراسیوں کو جو واپس کرتا رہے گا آپ ہی خیال کیجیے کہ پاگل خانے کی چار دیواری میں داخل ہونے تک کب تک بچارہ رکھتا ہے، دنیا کو جانے دیجیے آپ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے ہیں گھڑے میں پانی ہے پوچھتے ہیں کہ پانی پاک ہے مؤذن خبر دیتا ہے کہ جی ہاں پاک ہے آپ خبر قرار دے کر اس کی خبر کو مسترد کر دیتے ہیں آگے جا نماز ہے کیا پاک ہے پھر وہی خبر آپ کو ملتی ہے کہ پاک ہے امام آگے ہوتا ہے کہتا ہے کہ میں باوضو ہوں۔ میرے کپڑے پاک ہیں لیکن آپ ہر خبر کو خبر ٹھیرا کر اس سے علم پانے سے انکار کریں گے تو کیا ایک وقت کی بھی نماز آپ پڑھ سکتے ہیں؟ فخر الاسلام نے آگے جو بات کہی ہے وہ یہی واقعہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کو باپ ماں کو ماں، ظاہر ہے کہ خبر دینے والوں کی خبروں ہی کی بنا پر تو یقین کرتا ہے لیکن حق کے باں خبر سے علم پیدا ہی نہیں ہوتا کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اپنے باپ اور ماں کو پہچاننے کے حق سے وہ محروم نہیں ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ خبریں کبھی جھوٹی بھی ہوتی ہیں لیکن جھوٹی اور سچی خبروں میں تمیز کا ایک قانون ہے عوام ممکن ہے کہ اس قانون کی تفصیلات سے اس لیے واقف نہ ہوں کہ وہ زیادہ سوچ بچار سے کام نہیں لیتے لیکن ہر ایک کی فطرت اس قانون کو پہچانتی ہے اور اسی کی راہ نمائی میں دین، دنیا کا کام چل رہا ہے محدثین نے غور و خوض کے بعد اسی قانون کے تمام اجزاء اور عناصر کی تحلیل کی ہے آئندہ اسی موقع پر ان شاء اللہ ان تفصیلات کا تذکرہ کیا جائے گا۔ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی کی تعمیر میں صرف ثانوی عناصر و اجزاء کی ہے اس حد سے زیادہ محتاط طرز عمل یہ لب کشائی اور انگشت نمائی کی جرأت محض اس غلط مفروضہ کی بنیاد پر کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ سو سوا سو سال یعنی وقفہ کی مذکورہ بالا مدت جو عہد صحابہ اور مصنفین صحاح کے درمیان گذری اسی میں قلم بند کر کے حدیثوں کی حفاظت کا انتظام نہیں کیا گیا تھا بلکہ حفظ اور یادداشت کے ذریعہ سے سینوں سے سینوں تک اس عرصے میں یہ حدیثیں منتقل ہوتی رہی ہیں، ان حدیثوں سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلومات کا جو سرمایہ اس وقت دنیا میں پایا جا رہا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حدیثوں سے روکنے والے ان معلومات کے قبول کرنے سے جو گریز کی راہ اختیار کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہیں اور وقتاً فوقتاً طرح طرح کی بدگمانیاں اور تشکیکی شرارے معلومات کے اس مقدس سرمایہ کے متعلق بے اعتمادی پیدا کرنے کے لئے فضا میں جو اڑاتے رہتے ہیں، آخر وہ چاہتے کیا ہیں؟ کیا واقعی ان کی عقل اس کی اجازت دیتی ہے کہ بلا وجہ ان سب کو غلط بیانی کا مجرم قرار دیا جائے جن سے حدیثوں کا یہ ذخیرہ مروی ہے، میں تو سمجھتا ہوں کہ کسی خبر دینے والے کو محض اس لیے کہ وہ ایک واقعہ کی خبر دے رہا ہے بلا وجہ جھوٹا یقین کر لینا نہ صرف عقلی افلاس بلکہ اخلاقی افلاس کی بھی دلیل ہے جس کے متعلق جھوٹ یا غلط بیانی کا آپ کو تجربہ نہیں ہوا ہے خواہ وہ بے چارہ کسی درجہ کا بھی آدمی ہو، یہ سمجھ لینا کہ وہ جھوٹا ہے اور دروغ باف ہے کسی حیثیت سے بھی شریفانہ فعل قرار پا سکتا ہے؟ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھئے آپ ہی کے ساتھ کوئی اس طرز عمل کو اگر اختیار کرے اور آپ کے حالات سے ناواقف ہونے کے باوجود فقط اس لئے کہ آپ نے کسی واقعہ کی اطلاع دی ہو سننے کے ساتھ سننے والا قہقہہ لگا دے تو خود سوچئے کہ ایسے آدمی کے متعلق آپ کا دل کیا فیصلہ کرے گا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر بتایا جائے کہ ایسی صورت میں اس ہنسی کو عقل و دانائی کی ہنسی کس طرح قرار دی جائے جو آج پیغمبرؐ کی حدیثوں سے منہ پھلانے والوں کے ہونٹوں پر ناچ رہی ہے سمجھنے والے خواہ کچھ ہی سمجھیں لیکن مجھے تو ان استخفافی مسکراہٹوں اور استہزائی غل غپاڑوں کے نیچے سبک مغزی، تنگ نظری کے سوا اور کوئی دوسری چیز نہیں نظر آرہی ہے سنجیدگی اس قسم کی چھچھوری حرکتوں کو قطعاً برداشت نہیں کرسکتی۔ تمسخر کرنے والوں کے اس گروہ نے آخر کبھی اس کو سوچا بھی کہ وہ کیا کررہے ہیں اور اُن کے ان سارے مظاہروں کی بنیاد ان کے کس اخلاق رذیلہ پر قایم ہے کیا وہ چاہتے ہیں کہ ان کو ماننے کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ان بزرگوں کے احترام و عظمت سے اپنے قلوب کو بلا وجہ خالی کرلے، جن کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ گذشتہ اوراق میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے یہی نہیں بلکہ ان کا مطالبہ تو شاید یہ ہے کہ جن کے متعلق سچائی اور راستبازی کے سوا اور کسی چیز کا تجربہ نہیں ہوا ہے، اچانک ان میں سے کسی ایک کو نہیں بلکہ سب کو، ہر ایک کو بلا وجہ یہ مان لیا جائے کہ غلط بیانی سے کام لیتے تھے اور جھوٹ بولتے تھے، اور ایسی چیزیں ہم تک ان بزرگوں نے پہنچائی ہیں جن کا واقعہ سے کوئی تعلق نہ تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ بات اسی حد پر پہنچ کر ختم نہیں ہوجاتی ہے خود سوچئے کہ ان حدیثوں کے مسترد کردینے کا مطلب کیا ہوا؟ ایمانیوں کا وہی گروہ جن کی ایمانی قوتوں اور ان قوتوں کے آثار و نتائج کا تذکرہ ابھی آپ ہم سے سن چکے ہیں، پیغمبرؐ اور پیغمبرؐ کے دین کے ان ہی وفا شعاروں کے متعلق وہ چاہتے ہیں کہ خدا کا پیغمبرؐ ماننے کے باوجود اپنے اسی پیغمبرؐ اور رسولؐ کی طرف ان لوگوں نے جھوٹی باتیں قصداً منسوب کیں۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلیفۃ الاعظم
امیر المومنین عبدالرحمن الناصر لدین اللہ

از جناب سید انوار الحق صاحب حقی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی
لکچرر تاریخ و سیاسیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

دنیا اس بات کی شاکی اور تاریخ اس کی شاہد ہے کہ مورخین کی بے اعتنائیوں اور بے جا اعتراضات نے بہت سی قابل قدر اور اولوالعزم ہستیوں کی خدمات پر پانی پھیر دیا ہے اور جیسی کچھ ان کی قدر و منزلت ہونی چاہئے تھی اس سے انھیں محروم رکھا گیا ضرورت ہے کہ ہمارے مورخ تعصب کی عینک اتار کر فراخدلی غیر جانبداری اور پرخلوص جذبہ کے ساتھ دنیا کے ان فاتحین اور سلاطین کے کارناموں پر تحقیق و تنقید کی روشنی ڈالیں جنھوں نے اپنی عمریں تہذیب و تمدن کی ترقی، امور سلطنت کی انجام دہی نیز رعایا کی فلاح و بہبود میں صرف کر دیں ایک مورخ کا فرض صرف یہی نہیں ہے کہ وہ تعصب سے بری ہو بلکہ اس کو بغور ان حالات اور تغیرات کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے جن میں یہ واقعات پیش آئے ساتھ ہی زمانہ کی رفتار اور روش بھی مدنظر رکھنی چاہئے مثلاً اگر آج سے سات سو سال قبل کے کسی بھی فرمانروا پر قلم اٹھایا جائے تو سب سے پہلے یہی دیکھا جائے کہ اس وقت دنیا کے دیگر ممالک کی کیا کیفیت اور حالت تھی۔ دوسروں سے موازنہ کرنے کے بعد معلوم ہو سکے گا کہ جس فرمانروا کے حالات قلمبند کئے جارہے ہیں وہ واقعی کسی تعریف و توصیف کا اہل ہے یا نہیں۔

© rasailojaraid.com